اقبال کے تعلیمی نظریات

رحیم بخش شاھین

اقبال ایک بالغ‌نظر مفکر تھے اور انھوں نے ھم عصر مغربی اور مشرقی نظام ھائے تعلیم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا وہ ''خذما صفا ودع ماکدر،، کے فطری اصول کے مطابق دونوں کی خوبیوں کو اپنانے اور خامیوں سے بچنے کے قائل تھے۔ یہی وجہ ھے کہ ان کے افکار کے مطالعہ سے ھمیں بیک وقت دونوں نظاموں کی تائید اور تردید کا احساس ھوتا ھے۔ یوں معلوم ھوتا ھے کہ وہ ان کے صالح عناصر کی آمیزش و امتزاج سے ایک بہترین نظام تعلیم کی تشکیل کے خواھشمند تھے۔ ملت اسلامیہ کے شعبہ تعلیم کی تعمیر نو کے لئے بنیادی خطوط کی نشاندھی اقبال کا ایک ایسا کارنامہ ھے جسے کبھی فراموش نھیں کیا جا سکتا۔

مغربی نظام تعلیم پر تنقید

اقبال نے جدید یا مغربی نظام تعلیم پر بالعموم دو پھلوؤں سے غور کیا ھے :

(۱) بنیادی لحاظ سے اس نظام کی خوبیاں اور خامیاں جن کا اظھار مغربی معاشرے میں ھوا۔

(۲) ھندو پاک میں انگریزی استعمار کے نافذ کردہ نظام تعلیم کی خرابیاں جو خاص طور پر برصغیر کے محکوم عوام کے لئے تشکیل دیا گیا تھا۔

تصور علم

اقبال کے نزدیک جدید نظام تعلیم کی ایک بہت بڑی خامی اس کا غلط اور ناقص تصور علم ھے۔ اس نظام میں انسان کی دوڑ دھوپ کا میدان صرف

دنیا کی مادی زندگی قرار پاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ اس میں عقیدۂ آخرت ایک واہمہ کی حیثیت رکھتا ہے، ان دیکھے خدا اور حقائق پر ایمان لانا ایک غیر سائنسی اور غیر عقلی انداز نظر تصور کیا جاتا ہے، حقائق کی معرفت کی کسوٹی حواس خمسہ کو سمجھا جاتا ہے حالانکہ عقل و جنوں کے امتزاج کے بغیر معاشرتی زندگی کا متوازن ارتقاء نا ممکن ہے بقول اقبال :

تعلیم پیر فلسفۂ مغربی ہے یہ
ناداں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش
محسوس پر بنا ہے علوم جدیدہ کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنون خام
ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش
کہتا مگر ہے فلسفہ زندگی کچھ اور
مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش
'باھر کمال اند کے آشفتگی خوش است
ہر چند عقل کل شدہ بے جنوں مباش

(بانگ درا : ۲۷۷)

یہ نظام تعلیم خالق کائنات کی معرفت کے بارے میں انسان کی رہنمائی کرنا تو رہا ایک طرف، الٹا اسے لادینیت اور دھریت کا سبق دیتا ہے - اس نظام میں ساری توجہ زندگی کے صرف مادی پہلو پر دی جاتی ہے - اس خامی کی طرف اقبال اپنی نظم ''تعلیم اور اس کے نتائج،، میں یوں توجہ مبذول کراتے ہیں :

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

(بانگ درا : ۲۳۳)

اس نظام کے تحت جس علم کی نشرواشاعت کی جاتی ہے وہ زندگی کی بنیادی حقیقتوں سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ ''تربیت،، کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں :

زندگی کچھ اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوز جگر ہے علم ہے سوز دماغ
علم میں دولت بھی ہے قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ

(ضرب کلیم : ۷۸)

مغربی معاشرے میں علمی ترقی کا بہت ہی شہرہ ہے لیکن یہی ترقی اس معاشرے کی تباہی کا پیش خیمہ ہے کیونکہ اس نے وحی ربانی سے منہ موڑ کر صرف مادی حالات اور حواس خمسہ کو معیار خیر و شر قرار دے لیا ہے۔ اس کا نتیجہ اس معاشرے میں اخلاقی قدروں کی موت کی صورت میں برآمد ہوا ہے :

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہے محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

(بال جبریل : ۴۶)

یہ علم انسان کے دماغ کو روشنی سے محروم کر دیتا ہے اور جہالت کی

تاریکیاں پیدا کرتا ہے۔ یہ مشاہدۂ حقیقت کا ذریعہ نہیں بلکہ ایسا پردۂ چشم بن جاتا ہے جو روز روشن میں بھی انسان کو نظارۂ آفتاب سے محروم رکھتا ہے:

علم اگر کج فطرت و بد گوہر است
پیش چشم ما حجاب اکبر است

(جاوید نامہ : ۲۲۱)

علم اور فقر

علم کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کی عقل و خرد کو صیقل کرے، وہ انسان کے دل میں راہ‌مستقیم کی تڑپ پیدا کرے۔ وہ معلومات کا ذریعہ ہے اور یہ معلومات حواس خمسہ پر مبنی ہوتی ہیں اس کے برعکس فقر ہے جس سے انسان میں قلب و نگاہ کی عفت پیدا ہوتی ہے وہ اس میں روحانی بلندی اور جرات فکر و عمل پیدا کرتا ہے وہ اسے ایسی بصیرت عطا کرتا ہے جس کی مدد سے محسوسات کا پردہ چیر کر رخ حقیقت کے جمال جہاں افروز کا نظارہ ممکن ہوجاتا ہے۔ اقبال نے علم اور فقر کی ان خصوصیات پر یوں روشنی ڈالی ہے:

علم کا مقصود ہے پاکئی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ
علم فقیہہ و حکیم ،فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ فقر ہے دانائے راہ
فقر مقام نظر، علم مقام خبر
فقر میں مستی ثواب علم میں مستی گناہ
علم کا موجود اور فقر کا موجود اور
اشہدان لا الہ اشہدان لا الہ

(بال جبریل : ۱۱۰-۱۱۱)

اقبال نے بال‌جبریل کی متعدد غزلوں میں علم کے اس نقص یا نقائص پر بھر پور تبصرہ کیا ہے۔ ان کے خیال میں جدید تصور علم نئی نسلوں کی شخصیت کی متوازن تعمیر میں بری طرح ناکام رہا ہے ان کے ظاہر و باطن اور قول و فعل میں موافقت کا فقدان ہے ان کی عقل باریک مگر روح تاریک ہے،ان کا پیمانہ خالی روح پیاسی اور دل تاریکی کی آماجگاہ ہے جبکہ چہرہ اور ظاہری حالت تروتازہ اور روشن ہے، بے یقینی، یاس و ناامیدی ان کی زندگی کا نمایاں وصف ہے وہ اپنی ذات کے شعور سے محروم اپنے وجود سے بے خبر اغیار کی دریوزہ‌گری میں مصروف ہیں ان کا وجود دیرو کلیسا کی رونق کا باعث ہے وہ محنت و مشقت کی بجائے تن‌آسانی، لذت طلبی اور عیش پسندی کے عادی ہوگئے ہیں وہ اپنے ضمیر اور اخلاقی اقدار کا سودا روٹی کے چند ٹکڑوں یا زر و سیم کے چند سکوں کے عوض کرلیتے ہیں۔ تقلید اغیار نے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیا ہے، وہ توحید کی قوت سے ناواقف اور بتان عصر حاضر کی پرستش میں مشغول ہیں ان کی جدو جہد کا میدان محض مادی دنیا ہے ان کی نظر اس سے ماوراء دیکھنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتی ہے۔ ''بال جبریل،، ہی میں اقبال نے ''پیر و مرید،، کے عنوان سے ایک مکالمے کی صورت میں چند اشعار کہے ہیں مرید ہندی (اقبال) سائل ہے اور پیر رومی (مولانا روم) جواب دیتے ہیں۔ ذیل کے مکالموں میں انہی خیالات کو انہوں نے جامعیت سے پیش کیا ہے:

مرید ہندی

پڑھ لئے میں نے علوم شرق و غرب
روح میں باقی ہے اب تک درد و کرب

پیر رومی

دست ہر نا اہل بیمارت کند سوئے ما درآ کہ تیمارت کند

(بال جبریل: ۱۸۱)

مرید ہندی

چشم بینا سے ہے جاری جوئے خوں
علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں

پیر رومی

علم را برتن زنی مارے بود علم را بردل زنی یارے بود

(بال جبریل : ۱۸۰)

اقبال کی خواہش ہے کہ علم کو مذہبی قدروں سے الگ نہ کیا جائے بلکہ اس معاملے میں اصل کسوٹی دین ہی کو قرار دیا جائے۔ انھوں نے مشہور ماہر تعلیم خواجہ غلام السیدین کے نام ایک خط میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے :

''علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے وہ طبعی قوت ہاتھ آجاتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہئے۔ اگر یہ دین کے تحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ یہ علم علم حق کی ابتداء ہے جیسا کہ میں نے ''جاوید نامہ،، میں لکھا ہے :

علم حق اول حواس آخر حضور آخر اُو سی نگنجد در شعور

وہ علم جو شعور میں نہیں سما سکتا اور جو علم حق کی آخری منزل ہے اس کا دوسرا نام عشق ہے علم و عشق کے تعلق میں جاوید نامے میں کئی اشعار ہیں :

علم بے عشق است ازطاغوتیاں علم با عشق است از لاہوتیاں

مسلمان کے لئے لازم ہے کہ علم کو (یعنی اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے) مسلمان کرے ''بولہب را حیدر کرار کن،،۔

اگر یہ بولہب حیدر کرار بن جائے یا یوں کہئے کہ اس کی قوت دین کے تابع ہوجائے تو نوع انسان کے لئے سراپا رحمت ہے،، -(۱)

یہی وجہ ہے کہ اقبال کو اس بات کا بہت افسوس تھا کہ ان کی زندگی کا قیمتی حصہ ایسے علم کی تحصیل میں صرف ہوا جو عقل خودبیں پر مبنی تھا اور جو انسان کو مذہب سے دور کردیتا ہے۔ اپنی چھوٹی ہمشیرہ کے نام ایک خط میں انھوں نے لکھا ہے :

''میں جو اپنی گذشتہ زندگی پر نظر ڈالتاہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر یورپ کا فلسفہ وغیرہ پڑھنے میں گنوائی خداتعالیٰ نے مجھ کو قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے۔ اگر یہ قویٰ دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسول کی میں خدمت کوئی کرسکتا۔ اور جب مجھے یاد آتا ہے کہ والد مکرم مجھے علوم دینی ہی پڑھانا چاہتے تھے تو مجھے اور بھی قلق ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ صحیح راہ معلوم بھی تھی تو بھی وقت کے حالات نے اس راہ پر چلنے نہ دیا بہرحال جو کچھ خدا کے علم میں تھا، ہوا اور مجھ سے بھی جو کچھ ہوسکا میں نے کیا لیکن دل چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوا اس سے بڑھ کر ہونا چاہئے تھا اور زندگی تمام وکمال نبی کریم کی خدمت میں بسر ہونی چاہئے تھی،، -(۲)

ایسا فلسفہ جس کا تمام تر انحصار صرف عقل پر ہو وہ زندگی کی تعمیر کے قابل نہیں ہوتا وہ مسائل حل کرنے کی بجائے انہیں مزید الجھانے کا کا باعث بن جاتا ہے۔ اقبال اس نکتہ کی طرف اپنی ایک نظم ''ایک فلسفہ زادہ سید زادے کے نام،، میں اس طرح اشارہ کرتے ہیں :

---

(۱) Iqbal's Educational Philosophy by K. G. Saiydain, Lahore, 1965, Pages 88,89

(۲) روزگار فقیر مرتبہ سید وحید الدین، جلد دوم، صفحہ ۱۸۸ - ۱۸۹

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا　　زناریٔ برگساں نہ ہوتا
ہیگل کا صدف گہر سے خالی　　ہے اس کا طلسم سب خیالی
شعلہ ہے تیرے جنوں کا بےسوز　　سن مجھ سے یہ نکتۂ دلفروز
انجام خرد ہے بے حضوری　　ہے فلسفہ زندگی سے دوری
افکار کے نغمہ ہائے بےصوت　　ہیں ذوق عمل کے واسطے موت

(ضرب کلیم : ۱۰-۱۱)

لہذا وہ مسلمان نوجوانوں سے پہلا مطالبہ یہ کرتے ہیں کہ وہ قرآن حکیم کے مطالعہ میں مصروف ہوں۔ نومبر ۱۹۲۹ء میں علامہ علی گڑھ یونیورسٹی تشریف لے گئے تو انجمن طلبہ نے آپ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا جس کے جواب میں آپ نے ایک مختصر تقریر میں برطانوی فلسفہ اور جمہوریت کے تصور پر بحث کرنے کے بعد فرمایا :

''میں امید کرتا ہوں کہ یونیورسٹی ایسے لوگوں کی ایک تعداد پیدا کردے گی جو مطالعہ قرآن میں زندگیاں صرف کردیں گے''(۱)۔

غلامانہ طرز تعلیم

انگریزوں نے ہندوستان میں جو نظام تعلیم نافذ کیا تھا اس کا مقصد مقامی آبادی کے نوجوانوں میں تخلیقی صلاحیتیں بیدار کرنا اور پروان چڑھانا نہیں تھا بلکہ وہ تو ہندوستانی باشندوں کو طریق غلامی میں اور زیادہ پختہ کرنا چاہتے تھے۔ اس برطانوی حکمت عملی کا اظہار مشہور برطانوی قانون دان اور ماہر تعلیم لارڈ میکالے نے ۱۸۳۵ء میں اس یادداشت میں کیا تھا جو اس نے بر صغیر پاک و ہند میں نظام تعلیم کی تبدیلی کے لئے اس وقت کے گورنر جنرل کے سامنے پیش کی تھی :

---

(۱) گفتار اقبال مرتبہ محمد رفیق افضل، صفحہ ۱۰۵

''ہم فی الحال اپنے محدود ذرائع کے ساتھ سب لوگوں کی تعلیم کا بندوبست نہیں کرسکتے ہمیں اس وقت بس ایک طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض سر انجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمراں ہیں ۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرز فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطۂ نظر سے انگریز،،(۱) ۔

انگریز ہر حالت میں مقامی آبادی کے قومی تشخص کو فنا کرنا چاہتے تھے ۔ جس کے نتیجہ میں کوئی قوم یا معاشرہ اپنی بقاء کی جدوجہد سے غافل ہوجاتا ہے اور بہت سے ایسے امراض میں مبتلا ہوجاتا ہے جو اس کی ہستی کو گھن کی طرح کھا جاتے ہیں ۔ حکمراں اقوام کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے محکوم عوام کو دائمی غلامی اور محکومی کے شکنجے میں جکڑنے کے لئے ایسا نظام تعلیم وضع کرتی ہیں جو ان میں بزدلی اور کم ہمتی، کوتاہ نظری اور پست ہمتی پیدا کردیتا ہے،، محکوم کی خودی مٹانے کے لئے محکومیت کا سبق دینے والا، جذبہ آزادی کو سرد کرنے والا نظام تعلیم سب سے بڑا آلہ ظلم ہے جو سامراجی قوتوں نے کمزور اور چھوٹی اقوام کے استحصال کے لئے اپنایا ہے ۔ اقبال نے ''نصیحت،، میں یہی حقیقت واضح کی ہے :

اک لرد فرنگی نے کہا اپنے پسر سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر
بیچارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم
برے پہ اگر فاش کریں قاعدۂ شیر
سینے میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوموں کو تیغوں سے کبھی زیر

---

(۱) میکالے کا نظریہ تعلیم مترجمہ عبدالحمید صدیقی، صفحہ ۶۹

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

(ضرب کلیم : ۱۵۶)

غلام قوموں کا ذہین طبقہ سامراجی پروپیگنڈے سے بری طرح مرعوب ہوجاتا ہے، لہذا وہ بھی اپنے ادب و شعر اور فلسفہ و حکمت کے ذریعے انہیں مقاصد کی تبلیغ کرنے لگتے ہیں جو سامراجی قوتوں کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ ''نفسیات غلامی،، میں غلام قوموں کے شعراء، علماء اور حکماء کا مقصد یہ قرار دیتے ہیں :

بہتر ہے کہ شیروں کو سکھادیں رم آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

(ضرب کلیم : ۱۴۲)

یورپی ترقیوں سے استفادہ

مغربی نظام تعلیم پر شدید تنقید کے باوجود علامہ اقبال اس کی سائنسی ترقیوں اور تحقیقی کاوشوں کے معترف تھے انہوں نے مسلمانوں کو بار بار تلقین کی کہ وہ مغرب سے سبق سیکھیں چونکہ بنیادی طور پر سائنسی علوم مسلمانوں کی کوششوں کے مرہون منت ہیں اس لئے مسلمانوں کو کمتری یا اجنبیت کے احساس میں مبتلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں :

علم اشیاء علم الاسما ستے ہم عصا و ہم ید بیضاستے

علم اشیاء داد مغرب را فروغ　　حکمت او ناست می بندد زدوغ

(پیام مشرق :٦)

اور یہی علم اشیاء علم اسماء شرف انسانیت کا باعث ہے اسی کی بدولت فرشتوں کو حضرت آدم کے آگے سجدہ ریز ہونا پڑا :

علم اسماء اعتبار آدم است　　حکمت اشیاء، حصار آدم است

(رموز بیخودی:١٦٨)

اقبال کے خیال میں جدید دور کے تقاضوں کی تکمیل مغربی فکر و فلسفہ سے آگاہی سے ممکن ہے وہ مغربی علوم کے ان پہلوؤں کو جن سے انسان کو تسخیر فطرت کی قوت و صلاحیت کے خزانے کا علم ہوتا ہے لائق تعریف خیال کرتے ہیں ۔ ان کے نزدیک اہل مشرق خصوصاً مسلمانوں کو محض اس لئے ان سے صرف نظر نہ کرنا چاہئے کہ وہ انگریزی الماریوں میں بند ہیں اور ملحد سینوں میں محفوظ ہیں بلکہ سرورکائنات کے فرمان کے بموجب حکمت مرد مومن کا گم شدہ مال ہے اس لئے یہ جہاں سے ملے حاصل کرنا ضروری ہے اور دوسرے یہ کہ خدا نے بھی تو حکمت کو ''خیرکثیر،، کہا ہے لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ علم و حکمت کے حصول میں ہمہ تن مصروف ہو۔

گفت حکمت را خدا خیر کثیر　　ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

سید کل صاحب ام الکتاب　　پرد گیہا بر ضمیرش بے حجاب

گرچہ عین ذات‌را بے پردہ دید　　''رب‌زدنی،، از زبان او چکید

(پیام مشرق : ٦)

اقبال کو یقین ہے کہ اگر اہل یورپ مسلمان علماء و فضلا کے نتائج فکر سے خوشہ چینی نہ کرتے تو آج وہ علم کی بلندی کو ہرگز نہ چھو سکتے ۔ اقبال نے مسلم یونیورسٹی علی‌گڑھ کے وائس چانسلر، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کے نام ایک خط میں اس مسئلہ پر جامع بحث کی ہے :

''یورپ میں اسلام کا سیاسی زوال بدقسمتی سے ایسے وقت میں رونما ہوا جب مسلم حکماء کو اس حقیقت کا احساس ہونے لگا تھا کہ استخراجی علوم لایعنی ہیں اور جب وہ استقرائی علوم کی تعمیر کی طرف کسی حد تک مائل ہو چکے تھے دنیائے اسلام میں تحریک ذہنی عملاً اس وقت سے مسدود ہوگئی اور یورپ نے مسلم حکماء کے غور و فکر سے بہرہ اندوز ہونا شروع کیا۔ یورپ میں جذبہ انسانیت کی تحریک بڑی حد تک ان قوتوں کا نتیجہ تھی جو اسلامی فکر سے بروئے کار آئیں یہ کہنا مطلق مبالغہ نہیں ہے کہ جدید یورپین جذبہ انسانیت کا جو ثمر جدید سائنس اور فلسفہ کی شکل میں برآمد ہوا ہے اسے کئی لحاظ سے محض اسلامی تمدن کی توسیع پذیری کہا جاسکتا ہے۔ اس اہم حقیقت کا احساس نہ آج کل کے یورپین کو ہے اور نہ مسلمانوں کو۔ کیونکہ مسلمان حکماء کے جو کارنامے محفوظ ہیں وہ ابھی تک یورپ ایشیاء اور افریقہ کے کتب خانوں میں منتشر اور غیر مطبوعہ شکل اور حالتوں میں ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ ایک بڑی حد تک خود ان کے تمدن سے برآمد ہوا ہے وہ اسے بالکل غیر اسلامی تصور کرتے ہیں مثلاً اگر کسی مسلم حکیم کو یہ معلوم ہو کہ آئن‌سٹائن کے نظریہ سے کس قدر ملتے جلتے خیالات پر اسلام کے سائنٹفک حلقوں میں بحث و مباحثے ہوتے تھے (ابو المعالی جس کا قول ابن رشد نے نقل کیا ہے) تو آئن سٹائن کا موجودہ نظریہ ان کو اتنا اجنبی نہ معلوم ہو اس کے علاوہ جدید استقرائی منطق سے اسے جو بیگانگی ہے وہ بہت کچھ کم ہوجائے اگر اس کو یہ علم ہو کہ جدید منطق کا تمام نظام رازی کے ان مشہور و معروف اعتراضات سے وجود میں آیا جو انھوں نے ارسطو کے استخراجی منطق پر عائد کئے تھے،، (۱)۔

یہی دعویٰ اقبال نے ان اشعار میں کیا ہے :

حکمت اشیاء فرنگی زاد نیست　　اصل او جز لذت ایجاد نیست

---

(۱) اقبال نامہ (مجموعہ مکاتب اقبال) مرتبہ شیخ عطاءاللہ ایم۔اے ، حصہ دوم، صفحہ ۲۱۳-۲۱۴

نیک اگر بینی مسلمان زادہ‌است | این گہر از دست ما افتادہ است
چون عرب اندر اروپا پر کشاد | علم و حکمت را بنا دیگر نہاد
دانہ آں صحرا نشیناں کا شتند | حاصلش افرنگیاں بر دا شتند
این پری از شیشئہ اسلاف ماست | بازسیدش کن کہ او ازقاف ماست

(مثنوی مسافر : ۴۰)

اقبال نے سفر یورپ کے دوران متعدد کتب خانوں میں مسلمان مفکرین کی تصانیف کی زیارت کی تو بہت رنجیدہ ہوئے کہ مسلمان اپنے آباؤ اجداد کی علمی میراث سے اپنی غفلت شعاری کی وجہ سے محروم ہوچکے ہیں اور یہی امراست مسلم کے زوال کا باعث بنا۔ ''خطاب بہ جوانان اسلام،، میں کہتے ہیں :

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ
گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے‌مارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تودل ہوتا ہے سیپارہ

(بانگ‌درا : ۱۹۸-۱۹۹)

چاھئے تو یہ تھا کہ مسلمان اھل مغرب کی ترقیوں سے استفادہ کرتے اور اس طرح نشاۃ ثانیہ حاصل کرتے اپنی عظمت گمشدہ ازسرنو پالیتے لیکن ایک طویل دور غلامی نے ان میں کوتاہ نظری اور تقلید کا مادہ پیدا کردیا تھا جس کی وجہ سے وہ مغرب سے تسخیر کائنات اور تحسین حیات کا سبق لینے کی بجائے فحاشی، بے حیائی اور مغربی تہذیب و تمدن کے ظاھری روپ پر مائل ہوگئے۔ حالانکہ چنگ و رباب رقص و سرود اور عریانی و فحاشی وغیرہ

ترقی کی بنیاد یا سبب نہیں بلکہ یہ تو قوموں کے زوال کا باعث ہیں مغربی ترقی کا اصل راز عقلی علوم و فنون کی تحصیل، اشاعت اور ترقی میں مضمر ہے۔ ''جاوید نامہ،، میں احمد شاہ ابدالی اہل مشرق کی اس بنیادی غلطی پر اس طرح تنبیہہ کرتے ہیں :

شرق را از خود برد تقلید غرب — باید ایں اقوام را تنقید غرب
قوت مغرب نہ از چنگ ورباب — نے ز رقص دختران بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روست — نے ز عریاں ساق ونے ازقطع موست
محکمی اورانہ از لادینی است — نے فرو غش از خط لاطینی است
قوت افرنگ از علم وفن است — از ہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت از قطع و برید جامہ نیست — ما نع علم و ہنر عمامہ نیست
علم و فن را اے جوان شوخ و شنگ
علم وفن رااے جوان شوخ وشنگ — مغز می باید نہ ملبوس فرنگ
اندریں رہ جز نگہ مطلوب نیست — ایں کلہ یا آں کلہ مطلوب نیست
فکر چالا کے اگر داری بس است
طبع دراکے اگر داری بس است

(جاویدنامہ : ۲۰۹)

نژاد نو کی صالح تربیت

دنیا کے تقریباً تمام بڑے بڑے مفکرین تعلیم اس بات پر متفق ہیں کہ تعلیم محض چند حقائق و واقعات کی تدریس کا نظام نہیں بلکہ یہ افراد و معاشرہ کی ہمہ جہتی تربیت کا نام ہے۔ اقبال بھی ایک حقیقت پسند مفکر کی حیثیت سے تعلیم کی بلندیٔ مقاصد اور وسعت حدود کے قائل ہیں وہ کتابوں کو علم کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن ان پر کلی انحصار پسند نہیں کرتے کیونکہ محض کتاب بینی سے انسان وہ دانش و حکمت نہیں حاصل کرسکتا جو زندگی کی راہ میں گامزن ہونے کے لئے ضروری ہے :

کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوئے گل کا سراغ

(ضرب کلیم : ۸۰)

ایسی کتاب بینی بیکار اور محض ذہنی عیاشی ہے جو انسان کو ہنگامۂ حیات کے اضطراب سے آگاہ نہ کرے وہ اپنی نظم ''طالب علم،، میں طلبہ کو کتاب خوانی کے بجائے صاحب کتاب بننے کی نصیحت کرتے ہیں ۔

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

(ضرب کلیم : ۸۱)

علم کا حصول کتابوں کے انباروں اور مدرسوں کی چار دیواریوں میں محدود رہ کر ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے ایسے نظام تربیت کی ضرورت ہے جس میں فرد کی شخصیت اور فطری صلاحیتوں کی نشو و نما کا موزوں انتظام ہو لہذا مدرسوں میں صرف مقررہ نصاب ہی پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ خودی کی نشوونما کو بھی ہدف قرار دیا جائے۔ اقبال نے ایک قطعہ ''آزادیٔ فکر،، میں یہی خیال پیش کیا ہے :

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشت خاک میں پیدا ہو آتش ہمہ سوز
یہی ہے سر کلیمی ہر اک زمانے میں
ہوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز

(ضرب کلیم : ۷۴)

''پیام مشرق،، کی ایک نظم ''کرم کتابی،، تو خاص طور پر اسی موضوع سے متعلق ہے :

شنیدم شبے در کتب خانۂ من به پروانه می گفت کرم کتابی

با اوراق سینا نشیمن گرفتم　　بسے دیدم از نسخۂ فاریابی
نفهمیده ام حکمت زندگی را　　همان تیره روزم ز بے آفتابی
نکو گفت پروانۂ نیم سوزے　　که این نکته را در کتابے نیابی

تپش می کند زنده تر زندگی را
تپش می دهد بال و پر زندگی را

(پیام مشرق: ۱۱۹)

کتابی علم کو مفید بنانے کے لئے اهل نظر کی صحبت اور تربیت لازمی هے اسی لئے اقبال مسلم نوجوانوں کو تلقین کرتے هیں که وہ اهل نظر کی صحبت سے استفاده کریں، عیش پسندی چھوڑ دیں، شیوۂ اخلاص اختیار کرکے سلطان و امیر کے خوف سے بے نیاز هوجائیں زندگی کو عدل اور میانه روی کا نمونه بنائیں حکم الهی کی بے چون و چرا تعمیل کریں نه که تاویل، ذکر و فکر اور ضبط نفس کو شعار زیست بنائیں یہی اصول حکمرانی هے اور محنت و مشقت کو عادت بنائیں که اس کے بغیر زندگی بے معنیٰ هوکر رہ جاتی هے:

خطاب به جاوید (سخنے به نثرادنو) کے آخر میں فرماتے هیں:

صد کتاب آموزی از اهل هنر　　خوشتر آں درسے که گیری ازنظر
کم خورو کم خواب و کم گفتار باش　　گرد خود گردنده چوں پرکار باش
شیوۂ اخلاص را محکم بگیر　　پاک شو از خوف سلطان وامیر
عدل در قهرو رضا از کف مده　　قصد در فقر وغنا از کف مده
حکم دشوار است تاویلے مجو　　جز بقلب خویش قندیلے مجو
حفظ جاں ها ذکروفکر بےحساب　　حفظ تن ها ضبطنفس اندر شباب
حاکمی در عالم بالا وپست　　جز بحفظ جانو تن ناید بدست
زندگی جز لذت پرواز نیست　　آشیاں با فطرت او ساز نیست

(جاویدنامه: ۶۳۸-۲۳۹)